

خطاباتِ الہیہ کے فصاحتی اور بلاغتی پہلو

Eloquent and Rhetorical Aspects of Divine Addresses

Nazia Salim Tahir

*Doctoral Candidate Islamic Studies, Lahore College for Women
University, Lahore*

Dr. Farhat Aziz

*Associate Professor, Department of Islamic Studies, Govt. Graduate College
for Women, Wahdat Colony, Lahore*

Abstract

This study conducted on the Qur'an's expressional dimension aiming to show that the Qur'an is a linguistic miracle based on its precision to expression. Qur'an from beginning to end, linguistically and rhetorically, their inspiring words, way of delivering message to the people, rhythm, images, explanations with examples, and also with an intensity proves that no one on world could have able to produce or even approach, like that way because it's a Divine Book. Yet despite this linguistic newness it also preserved the foundations of Arabic language and was eminently comprehensible to the people who heard it. Indeed, not only did they understand its concept but it acts as healer for the broken hearts due to its linguistic uniqueness and many of them unspeakably impressed by it. The newness of the Qur'an which manifested itself on the various levels of both content and style from word choice, to expression, Grammar, morphology, and rhetoric was a source of perplexity and amazement to those who heard the divine revelation. Therefore, in view of its word's power,

this article is being written on the topic of eloquence and rhetoric of divine addresses.

Keywords: Quran, Divine Addresses, Eloquence Rhetoric, Miracle

تمہید

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا انسانیت کے نام ایک ابدی پیغام اور خطاب ہے۔ یہ خطاب لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ یہ قرآن کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ وہی عرب جو بد اخلاقی، باطل پرستی، بدکاری اور ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ خالص توحید سے نا آشنا ہر قسم کی اخلاقی پستی کا شکار ہو چکے تھے۔ خطبات الہیہ سے ان کے نفوس شرک کی نجاست سے پاک ہوئے، توحید خالص سے آشنائی ہوئی، باہمی نفرت کی جگہ محبت اور ہمدردی نے لے لی۔ تقویٰ اور پاکیزگی کو اختیار کیا جانے لگا، علم سے آشنائی کا جذبہ بڑھا۔ ان تعلیمات کے پینچے سے علم و تہذیب کی بنیاد پڑی۔ ان سطور میں خطبات الہیہ کے فصاحتی بلاغتی پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ پیش کرنا مقصود ہے۔

خطبات الہیہ کے بلاغتی پہلو

خطاب فعال کے وزن پر مصدر ہے جو اب مفاعلہ سے ہے اس کا مفہوم ہے باہم گفتگو کرنا یا کلام کرنا۔¹ ابن فارس بن زکریا رازی خطاب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ والخطاب : کل کلام بینک و بین آخر والخطبة من ذالک خطاب ہر اس کلام کو کہتے ہیں، جو آپ اور کسی دوسرے کے درمیان ہو۔ خطبہ کا لفظ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔² خطبۃ ثلاثی مجرد خطب سے مصدر ہے خطبہ کا لفظی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ خلیل ابن حمد الفراهیدی لکھتے ہیں: والخطبة مصدر الخطیب و جمع الخطیب خطباء یعنی خطبہ خطیب کا مصدر ہے اور خطیب کی جمع خطباء آتی ہے۔³ امام راغب اصفہانی خطاب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: الخطا به فی اللغة کا الخطاب توجیہ الکلام لنحو الخیر للافہام الا متناع الممكن فی ای موضوع یراد۔ خطابہ لغت میں خطاب کی طرح مصدر ہے یعنی سمجھانے کی غرض سے کسی سے گفتگو کرنا۔ اور حکماء کی اصطلاح میں خطبہ ان اصول و ضوابط کا مجموعہ کہلاتا ہے جن کے ذریعے سے متکلم جس موضوع میں بھی چاہے مخاطب کو مکمل حد تک مطمئن کر سکے۔⁴ قرآن کریم میں کبھی بحیثیت مجموعی تمام لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے تو کبھی خاص لوگ مراد ہیں یہ عام انسانوں کو خطاب زمانہ نزول قرآن سے مخصوص ہے یا اس سے تمام انسان مراد ہیں جس کے ساتھ کسی زمانہ کی تخصیص نہیں۔ قرآن کریم کے خطاب میں خاص و عام کی نوعیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

عام: قرآن کریم میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو عموم پر استدلال کرتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

- 1- کل: جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: کُلُّ (ہر جان موت کو چکھنے والی ہے)۔⁵ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ فرمان (کُلُّ اَمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَبَّحْتَهُ) سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر۔⁶
- 2- اسم موصول الذی اور اس کے تمام صیغے (وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَا) اور وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا: "اف ہے تم دونوں پر"۔⁷ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جس سے یہ قول صادر ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلٰیہُمُ الْقَوْلُ (یہی وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی)۔⁸

3- جمع کا وہ صیغہ جو معرف بلام ہو جیسا کہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (یقیناً مومن کامیاب ہو گئے)۔⁹ اسی طرح جمع کا وہ صیغہ جو اضافت کی وجہ سے معرف بن جائے جیسا کہ: يُؤْصِيكُمْ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتے ہیں)۔¹⁰

4- ما: یہ غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بطور موصولہ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ "جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔"¹¹ بطور شرطیہ اس کی مثال رب العالمین کا یہ فرمان ہے: وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ (تم جو بھی بھلائی کا کام کرو گے اللہ سبحان و تعالیٰ اسے جان لیں گے)۔¹²

5- من: یہ عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ موصولہ کے طور پر اس کی مثال یہ فرمان الہی ہے: وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا بِالْمَنِّ تَبِعَ دِينَكُمْ (تم صرف اس کی بات مانو جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے)۔¹³ بطور شرطیہ اس کی مثال اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہے: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (تو جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا)۔¹⁴

6- ایسا لفظ جس میں الف لام داخل ہو اور وہ استفراق کے معنی میں ہو۔ اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ الْعَصْرِ (۱) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (۲) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا (قسم ہے زمانے کی بلاشبہ انسان یقیناً خسارے میں ہے)۔¹⁵ یہاں لفظ انسان تمام افراد کو شامل ہے۔

7- آئین منہم: جگہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بطور شرطیہ اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: آئِنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ (تم جہاں بھی ہو گے، موت تمہیں پالے گی)۔¹⁶

8- اللہ رب العالمین کا یہ فرمان حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (تم پر اپنی ماؤں سے نکاح حرام کر دیا گیا ہے)۔¹⁷ بعض اوقات عام لفظ بول کر اس سے عام کے بعض افراد مراد لیے ہوتے ہیں یہ وہ عام ہوتا ہے جس سے کچھ خاص افراد مراد ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے نفسوں کے ساتھ تین حیض تک انتظار کریں)۔¹⁸ تو یہاں پر لفظ مطلقات عام ہے جس کی تخصیص اللہ رب العالمین کے اس فرمان کے ذریعے کی گئی ہے: وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (اور حیض والی (طلاق یافتہ) عورتوں کی عدت کی مدت ان کے وضع حمل تک)۔¹⁹

خاص: لغت میں خاص، تنہا کیلئے اور منفرد کو کہتے ہیں اور یہ عام کی ضد ہے۔²⁰ خاص میں کوئی اجمال نہیں ہوتا اور نہ ہی اشکال ہوتا ہے وہ بذات خود واضح اور ظاہر ہوتا ہے اور یہ صرف اپنی معنی کو بتاتا ہے جن کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ قسم توڑنے کے کفارے سے متعلق حکم ربانی ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ (تو جو نہ قدرت رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے)۔²¹ اس میں لفظ (ثلثہ) خاص ہے اس میں کسی کی بیشی کی گنجائش نہیں۔²² کبھی مخاطب عام ہوتے ہیں اور مراد ان سے خاص ہوتی ہے اور کبھی اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے اور چونکہ خطاب کے رخ کی تبدیلی اور اس کے عام یا خاص ہونے کی وجہ سے معنی میں تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں۔²³ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ (اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو تم طلاق دو انہیں ان کی عدت میں)۔²⁴ یہاں یہ نہیں کہا گیا إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَقُوهُنَّ (جب آپ اپنی عورتوں کو طلاق دیں تو آپ انہیں طلاق دیں)۔" تو اس بات کی دلیل ہے کہ

وہ خطاب ساری امت کے لیے ہے۔²⁵ اور جہاں خطاب صرف آپ ﷺ کے لیے ہی ہو اور امت شامل نہ ہو تو پھر اس کی تخصیص خود قرآن کریم میں آجاتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے ان الفاظ میں تخصیص کی گئی ہے۔ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ ذُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یہ خاص آپ ﷺ کے لیے ہے سوائے دوسرے مومنوں کے)۔²⁶ چنانچہ قرآن کریم کے خطاب کا عام اور خاص کے حوالے سے جائزہ لینے سے دو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ آیات کے باہمی ربط اور سیاق و سباق کے حوالے سے بھی کیا جائے کیونکہ امام فراہی کے نزدیک مخاطب میں التباس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض مرتبہ مخاطب بظاہر پیغمبر ہوتا ہے لیکن خطاب امت سے ہوتا ہے۔ اس لیے اسی کو مخاطب کیا جاتا ہے۔²⁷ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں مخاطب پیغمبر کو کیا گیا ہے لیکن خطاب امت کی طرف ہے مثلاً: اِمَّا يَنْظُرَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمْ اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمْ اَفٍّ وَلَا تَنْهَزْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا "اگر پہنچ جائیں تیرے پاس بڑھاپے کو ان میں ایک یا دونوں تو ان سے اف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے عزت سے بات کرو"۔²⁸ مولانا عبد الماجد دریا آبادی قرآن کریم کے خطاب کی عمومیت کے حوالے سے لکھتے ہیں: قرآن کریم کبھی کسی محدود و مخصوص زمانہ کی نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرح چودھویں صدی ہجری کے لیے مکمل ہدایت اور پیغام ہے خواہ ان کی تہذیب و تمدن کچھ بھی ہو اور دوسری طرف اسکے مخاطب اول براہ راست ایک مخصوص ملک عرب کی وہ قوم تھی جو اپنی مخصوص ذہنیت، ثقافت و معاشرت اور مخصوص فکر کے ساتھ تاریخ کے ایک متعین زمانہ ساتویں صدی عیسوی میں آباد تھی قرآن کی یہ دوکار نہ حیثیت یعنی ایک طرف عالمی و آفاقی اور دوسری طرف قومی و وطنی موجود ہی نہیں بلکہ برابر ساتھ چل رہی ہے۔ گو ظاہر ہے ترتیب زمانہ کے لحاظ سے دوسری حیثیت پہلی پر مقدم ہے۔²⁹

خطابات الہیہ میں فصاحت و بلاغت

فصاحت عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ظاہر اور صاف ہونے کے ہیں عربی زبان میں کہتے ہیں "افصح امر" معاملہ واضح ہو گیا۔³⁰ اصطلاح میں فصاحت کا مفہوم ہے: عبارة عن الفاظ البينه الظاهرة المتبادرة الى الفهم ، والمانوسة الاستعمال بين اللكتاب و الشعرا و لمكان حسنها (واضح بین، اور ذہن میں فوراً سمجھ آجانے والے الفاظ سے عبارت ہے یہ ایسے الفاظ ہیں جو ادباء اور شعراء کے ہاں اپنی حسن و خوبی کی وجہ سے مانوس ہوتے ہیں)۔³¹ علمائے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ الفاظ جو مانوس ہوں اور قواعد صرفی کے مطابق ہوں اور جو سننے میں شیریں، دل آویز اور لطیف ہوں، فصیح کہتے ہیں۔³² بلاغت کے معنی پہنچنے کے ہیں کلام میں بلاغت سے مراد وہ کلام جو دل کو متاثر کر دے اور کانوں میں رس گھول دے اور جو بات موقع محل کے مناسب ہوگی اس میں بلاغت ہوگی۔³³ البلاغه في الكلام مطابقتة لما يقتضيه حال مع فصاحة الفاظه مفردھا و مرکبھا (کسی بھی کلام میں بلاغت حال سے مطابقت رکھنے کا تقاضہ رکھتی ہے لہذا فصاحت الفاظ، مفرد مرکب ہر صورت میں ضروری ہے۔³⁴ نجم الغنی رامپوری لکھتے ہیں: فصاحت تو کلمہ و کلام دونوں پائی جاتی ہے مگر بلاغت صرف کلام سے مختص ہے یعنی کلمات کی ایسی ترتیب و ترکیب جو مناسب حال ہو اور موقع محل کے عین مطابق ہو اگر ایسا نہ ہو تو بلاغت نہ رہے گی۔ تعظیم کے موقع پر تعظیمی کلمات لائے جائیں تو وہ کلام بلیغ کہلائے گا اور ایسی جگہ رکیک الفاظ لانے سے کلام درجہ بلاغت سے گر جائے گا۔ بلیغ کلام وہ ہے جو فصیح ہو یعنی عیوب سے خالی ہو جہاں تفصیل کی ضرورت ہو وہاں اختصار نہ کیا جائے، جس جگہ اختصار چاہیے وہاں طوالت نہ ہو، غرض کے کلام مناسب موقع و مقام ہو۔³⁵

علامہ جلال الدین السیوطی کہتے ہیں: قرآن کریم کی بلاغت اور اس میں موجود آئندہ احوال کی پیش گوئیاں اور پھر اس کا ہر ایک معجزہ پر قیاس ہونا یہ باتیں اس کے اعجاز کے مثبت ہیں اور معمول کلام توڑنا اس بات کا نام ہے کہ نزول قرآن سے قبل کلام کی کئی انواع راجح تھیں۔ مثلاً شعر، سجع، خطبے، رسائل اور منشور کلام جس کے ذریعہ سے لوگ معمولی بات چیت کیا کرتے تھے جو روزمرہ کی بول چال ہے مگر قرآن نے ان سب طریقوں سے منفرد طریقہ پیش کیا جس کا درجہ حسن ہر ایک پر فائق ہے۔³⁶ مورخیں بوکا نلے لکھتا ہے: قرآن کی سب سے بڑی خوبی اس کی فصاحت و بلاغت ہے اس خوبی کی بناء پر قرآن کریم کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔³⁷

وجہ اعجاز میں فصاحت و بلاغت

اہل عرب کو فصاحت و بلاغت کے میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے جنہوں نے اپنے کلام سے لوگوں کو ورطہ حیرت میں گم کر دیا تھا قرآن کی فصاحت و بلاغت کے سامنے انہوں نے اپنے تمام ہتھیار رکھ دیئے۔ قرآن کریم نے ان کے اسی عجز کو ان کے چیلنج بنا دیا اور انہیں بار بار چیلنج دیا کبھی کہا کہ اس کلام جیسی مثل بنا کیس خواہ اس میں سب انسانوں اور جنوں کو جمع کر لیں۔³⁸ کبھی کہا کہ اگر آپ ﷺ نے اسے اپنی طرف سے بنا لیا ہے تو تم بھی دس سورتیں اس جیسی بنا لاؤ اور مدد کے لیے جیسے چاہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔³⁹ اور کبھی کہا کہ صرف ایک سورۃ ہی اس جیسی بناؤ اور اللہ کے سوا جس کو بھی مدد کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔⁴⁰ قاضی عیاض کے نزدیک یہ ایسے فصیح و بلیغ کو چیلنج تھا جن کے بدو بھی فصیح اللسان تھے ان کے الفاظ مختصر اور زبردست ہوتے تھے ان کی بات صاف اور کلام محکم ہوتا تھا۔ اگر شیری ہوتا تو بلاغت کے نہایت اعلیٰ درجے والے الفاظ بولتا، کم الفاظ میں بہت سے معنی پوشیدہ ہوتے، بلاغت کی تمام اقسام کو گھیرے ہوتے، اختصار اور طوالت دونوں طرح سے بات کرتے اور وہ نظم و نثر دونوں میں جس طرح سے چاہتے داخل ہوتے اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔⁴¹ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ کسی عربی نے ایک شخص کی زبان سے یہ آیت سنی فاصدَعُ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (پس آپ کھول کر سنا دیں اس چیز کو جس کا آپ حکم دیئے گئے ہیں اور آپ مشرکوں سے اعراض کریں)۔⁴² یہ کلام سنتے ہی وہ سجدہ ریز ہو گیا اور کہا: مسجدت لفصاحتہ (یعنی میں نے اس کی فصاحت کے آگے سر جھکا دیا)۔⁴³ عبد اللہ ابن مقفع عربی ادب کا بڑا فصیح و بلیغ ادیب تھا، اس کے قرآن کریم کے چیلنج کے مقابلہ میں اپنی ادبی کاوش کرنے کا سوچا اور ایک مدت تک قرآن کے چیلنج میں لگا دیا اور جب اس آیت پر پہنچا: وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَفْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (فرمادیا گیا اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان بس کر تھم جا، اسی وقت وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جو دی نامی پہاڑی پر جا لگی اور فرمادیا گیا ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو)۔⁴⁴ تو اس نے کہا: هذا مالا يستطيع البشارن یا تو المثلہ و ترک المعارضہ (یہ بشر کی استطاعت نہیں کہ وہ اس جیسی مثل لائے اور اس نے معارضہ ترک کر دیا)۔⁴⁵ قرآن کریم کے معارضہ کے اس طرح کے اور بھی واقعات بیان ہوئے ہیں طوالت کے پیش نظر بیان کرنا مشکل ہے۔ لہذا یہ ایک معجزہ ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی نہ بنا سکے۔ قاضی ابو بکر الباقلانی نے قرآن کے اعجاز کی تین بڑی جامع وجوہات بیان کی ہیں آپ لکھتے ہیں: احدها: يتضمن الاخبار عن الغيوب و ذلك مما لا يقدر عليه البشر لا سبيل لهم اليه - والوجه الثاني: انه كان معلوماً من حال النبي ﷺ انه كان امياً لا يكتب ولا يحسن ان يقراء - وكذلك كان معروفاً من حاله انه لم يكن يعرف شيئاً من

کتب المتقدمين واقاصيصهم واءنباهم و سيرهم ثم اتى بجملة ما وقع و حدث من عظيمات الامور و مهمات السير من حين خلق الله ادم (عليه السلام) الى حين مبعثه والوجه الثالث ! انه بديع النظم عجيب التاليف متناه في البلاغة الى الحد الذي يعلم عجز الخلق عنه⁴⁶ اول: غيب کی خبریں اور یہ کسی بشر کی قدرت میں نہیں کیونکہ ان کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ثانی: سب کو معلوم تھا آپ ﷺ امی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کو پچھلی کتابوں کا کچھ علم تھا اور نہ ہی ان کے قصص، اخبار اور سیر کے بارے میں آپ ﷺ کو کچھ معلومات تھیں۔ ان تمام حقائق کے باوجود آپ نے تخلیق آدم سے لیکر آپ کے مبعوث ہونے تک تمام اہم حوادث و واقعات کی خبر دی۔ ثالث: قرآن اپنے نظم اور تالیف میں منفرد ہے۔ بلاغت کی بلندیوں کو چھو رہا ہے مخلوق ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ امام بدر الدین زکشی اعجاز قرآن کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہر طرح سے اور ہر مقام میں یکساں طور پر فصاحت و بلاغت برقرار ہے، کہیں بھی اس کا سلسلہ ٹوٹتا نظر نہیں آتا اور یہ بات کسی بشر کی قدرت نہیں۔⁴⁷

قرآنی مثالیں

☆ الفاظ کی بلاغت: قاضی ثناء اللہ درج ذیل آیات میں "قَابَ قَوْسَيْنِ" کی بلاغتی خوبیوں کو آشکار کرتے ہیں: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ وہ دونوں کمانوں کے فاصلے کے برابر آگیا بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک)۔⁴⁸ دونوں جگہ مضاف مخذوف ہے یعنی مقدار قرب دو قوسوں کے قرب کے برابر بلکہ اس سے بھی قریب تر، یہ عربوں کا رواج تھا کہ جب دو شخص آپس میں دوستی کا معاہدہ کرتے تھے تو ہر ایک اپنی کمان لاتا اور دوسرے کی کمان کے ساتھ چمٹا کر رکھ دیتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں یہاں اس سے مراد باری تعالیٰ کے قرب کا مرتبہ ہے جس کا ادراک ایک عارف ہی کر سکتا ہے۔

☆ الم ترکیب: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا)۔⁴⁹ یہ ترکیب قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آئی اس میں رویت سے مراد رویت غیبی نہیں بلکہ رویت عمل مراد ہے۔ ☆ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِي (ہرگز ایسا نہیں ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے)۔⁵⁰ یتیموں کے لیے یہاں "اکرام" لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب صرف یہ نہیں ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں مال دار لوگ ان کی کچھ مدد کر دیا کریں، بلکہ اصل مطلوب یہ ہے کہ سوسائٹی میں ان کو عزت کا مقام حاصل ہو۔⁵¹

☆ تین آیات ایک جملہ، خوبصورت ترکیب

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ (تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جو سب پر مہربان بہت مہربان ہے۔ جو روز جزا کا مالک ہے)۔⁵² یہ تین آیات ملکر ایک جملہ بنتی ہیں گرامر کے اعتبار سے بھی یہ بڑی خوبصورت تقسیم ہے۔ پہلی تین آیات جو ملکر ایک جملہ بنتی ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے۔ الحمد مبتدا، اللہ خبر، کل تعریف اللہ کے لیے ہے۔ اس کے بعد آنے والے کلمات، رب العالمین، الرحمن، الرحيم اور ملک يوم الدين اللہ کا بدل ہونے کے باعث مجرور ہیں یہ گویا ایک جملہ چلا آ رہا ہے۔ کل حمد، کل ثناء، کل شکر اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ملک، مختار، آقا، پروردگار، رحمن اور رحيم ہے۔⁵³

☆ قرآن میں ضمائر کا استعمال اور اس کی بلاغت

وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو)۔⁵⁴ یہاں ظاہر کے اعتبار سے "ولا ینفقو نہا" چاہیے تھا۔ ضمیر واحد نے زور پیدا کر دیا اور معنی میں بھی کوئی خلل پیدا ہوا۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (اور اے پیغمبر جب میرے مندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہی دیجیے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں)۔⁵⁵ اس آیت میں ضمیر متکلم، صیغہ واحد کی صورت میں چھ بار آئی ہے۔ ضمیر جمع متکلم جس طرح قدرت، عظمت و قوت، اقتدار و حکومت پر دلالت کرتی ہے اسی طرح التفات، اختصاص، اور یگانگت کے لیے مخصوص ہے۔⁵⁶ امام رازی کے نزدیک قرآن کا انداز بیان اور فصاحت و بلاغت ہر میدان بے مثل، چاہے وہ وعظ و نصیحت، عقائد، احکام، ترغیب و ترہیب، امثال و قصص اور وعدہ و وعید کا ہو ہر جگہ فصاحت و بلاغت کا یکساں اور اعلیٰ معیار برقرار رہا ہے۔⁵⁷ اس کے بعد آپ قرآن مجید سے اس کی چند امثلہ اس حوالے سے بیان کرتے ہیں جیسے: فَالَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ (کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے)۔⁵⁸ کسی عمدگی سے رغبت دلانے کے لیے فصیح و بلیغ الفاظ کا استعمال ہوتے ہیں۔ مزید ایک اور آیت کی فصاحت و بلاغت کو محسوس کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ (اور اس جنت میں ہو گا جو وہ چاہیں گے ان کے نفس)۔⁵⁹ مفہوم کی جامعیت اور بلاغت پر غور کریں کہ مخاطب کو کس قدر خوبصورتی سے انتہائی مختصر انداز میں جنت کی لامحدود نعمتوں کا احساس دلایا ہے اسی طرح ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَأَمِنْتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ (کیا تم نے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ وہ دھنسا دے تمہیں خشکی ایک جانب)۔⁶⁰ وعظ و نصیحت کے بیان میں اَفَرَأَيْتُمْ إِنَّمَتَّعْنَاهُمْ مَسِينِينَ (کیا پس آپ نے دیکھا اگر ہم فائدہ دیں انہیں کئی سال)۔⁶¹ الغرض قرآن کریم کا ہر لفظ جملہ اور عبارت فصاحت و بلاغت کا اظہار ہیں۔ انداز بیان ایسا ہے کہ ہر علم و فکر کے انسان کے لیے اس میں ہدایت کا سامان ہے یہ قوانین کو بھی ہدایت اور نصیحت کے انداز میں ایسے پیش کرتا ہے کہ اس کے احکام پر عمل درآمد آسان ہو جائے۔

خلاصہ بحث

حاصل کلام یہ ہے کہ عام گفتگو کے برعکس خطابت ایک فن ہے جس میں بہترین انداز، عام فہم الفاظ، متاخر کن لب و لہجہ، مخاطبین کی نفسیات کا مد نظر رکھتے ہوئے ان کو حکم دینا، انداز و تبشیر کے ذریعے ان کو جھنجھوڑنا، وغیرہ ہے۔ خطابت ہر دور میں رہی ہے ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا مدعا اور مقصود بہترین انداز میں بیان کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ بہترین انداز اور نئے نئے اسلوب اختیار کرتا ہے تاکہ بات دوسروں تک عمدگی کے ساتھ پہنچ جائے اور ان کے دلوں پر اثر کرے اور ان کی سوچ و فکر کے رخ کو بدل دے۔ قرآن کریم کا خطاب اس کا اسلوب بیان اور احکام ایسے ہیں کہ خطاب جن سے ہوتا ہے چاہے وہ سب انسانوں سے ہو اہل ایمان سے ہو یا یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اور منافقین وغیرہ سے، جنہیں مخاطب کیا گیا ہے وہ سب اس خطاب میں شامل ہوتے ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے یا قیامت تک آنے والے ہیں، بعد میں آنے والے مخاطبین کو موجودہ مخاطبین کے فاتح مقام رکھ کر تمام کو خطاب فرمایا کیونکہ قرآن کریم کے احکام اور خطابات قیامت تک کے لوگوں کو

شامل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی نمایاں ترین خوبی اسکا ہر اعتبار سے معجزہ ہونا ہے یعنی اپنے بہترین الفاظ اور کلمات کے چناؤ فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہیں۔

References

- 1 Ibn-e- Manzūr al -Afrīqi, Lisān al - Arab, Múhammad bīn Mukaram, Lisān al-Arab, (Beirūt, Dār Sadir, 1414 AH), 1:36.
- 2 Ibn-e- fāra's, Majmal Allúghat,(Bāirút,Darul Múarif , 1997),2171.
- 3 Al-frāhīdi,Abi Abdúllah, Khālil bin Ahmad ,Kitāb ul Aīn,(Baīrút, Dāre Ahya Altúras Alarābi,2001),P:2256.
- 4 Māhfoðz,Múhammad,Fún- úl- Khātabā wā Aaad ul khītab,(Misār, Maktāba Alwāqfiya,2004),113.
- 5 Al-Anbyā, 21:35.
- 6 Al-Baqarah,2:285
- 7 Al-Ahqāaf ,46:117.
- 8 Al-Ahqāaf,46:18.
- 9 Al- Moomīnun, 23:1.
- 10 Al-Nīsa;4:12.
- 11 Al-Nāhl, 16:96
- 12 Al-Bāqarah, 2:197
- 13 Ali' Imrān, 3:73
- 14 Al-Zalzālah, 99:7
- 15 Al- Asār,103:1 __2
- 16 Al-Nīsa, 4:78
- 17 Al-Nīsa, 4:23.
- 18 Al-Bāqarah, 2:228.
- 19 Al-Talāq, 65:4.
- 20 Kitāb-al-Aīn, 2:153.
- 21 Al-Māidah, 5:89.
- 22 Zaīdan, Abdūl Karīm, Alwajeēz fi Asòol-al-Fīq,(Lahòre,Māktbah Rāhmaīia ,2010),P:223.
- 23 Al-Fārahi, Hamēed-ūl-Deen, Tāfseer Nizām-ūl- Qūr'an,Amēen Ahsān Islāī Mútarajúm,(Lahore, Māktabā Qūdoòsia, 2014),P:74.
- 24 Al -Tālaāq , 65:1.

- 25 Ibn-ē- Hazām, Alī bin Ahmād Saeēd, Al-Ahkaām Fī Asoòl-ul-Ahkāam, (Lāhore, Dāra-ul-Afāaq Al-jadēedah, 1938), 468 .
- 26 Al-Ahzāb, 33:50.
- 27 Tafseēr Nīzaām-ul-Qura'n, 78.
- 28 Bāni Israēl, 17:23.
- 29 Daryā Abādi, Abdúl Mājid, Tafseēr Mājdi, (Karāachi, Majlīs Nāshrīat Qur'an , 1991), 1:11.
- 30 Bilyawī, Abdúl Hafiz, Mīsbha-ul-Lúghat, (Lahòre, Maktāba Qudòòsia, 2006), 265.
- 31 Al-Azhāri, Ahmād Bin Ibrahīm Alhāshmi, Jawaāir-ul- Balāgha, (Bāirut, Dāar-ul- afaāq Aljadīdah, 1978), 19/1.
- 32 Shībli Naumāni, Mòāzna Anēēs O Dabeer, (Lākhnòw, Anwār-ul-Mutābā , 2010), 29.
- 33 Ahāmd, Zúlfīqar, Qur'an Mājeed k Adbī Asrar-o-Ramòòz, (Lahore Zābdah Pūblicātiòns, 1998), P:88.
- 34 Jāwahīr-ul-Bālaghā, 1:81.
- 35 Rampòori, Nājm-ul-Ghāni, Bahr-ul-Fāshahat, (Lahore, Majlis Taraqi Adab, 2003), 3:10.
- 36 Sūyuti, Jālalúddin, Al-Itqān Fī Uloòm al-Qúran, (Karāachi, Māktabāh Al-ēlm, 2010), 2:210.
- 37 Bòqaīlay, Mòrris, Bīble Qur'an aúr Sciēnce, (Kārachī, Waqaas Pūblicātiòns, 2010), 210.
- 38 Bāni Israēl, 17:88.
- 39 Húd, 11:33.
- 40 Al-Bāqarāh, 2:23.
- 41 Ayzā, Qāzi, Al-Shīfa, (Bāiirut, Dar-ul-Hādis, 2010,) 167.
- 42 Al- Hījr, 15:94.
- 43 Al- Shīfā, 169.
- 44 Húd, 11:44.
- 45 Al-Rāfe'ie, Mòstafā Sāadiq , Aijāz-ul-Qur'an (Bairút, Dare Ahyā Al- Túras Al- Arābi , 2008), 137.
- 46 Albāqlanī, Abi Bakar, Aijāz-ul-Qur'an, (Misār, Dar-ul-Múarif , 2005), 69.
- 47 Zarkāshi, Bādr-ul-Din, Albúrhan Fī Alòòm-ul-Qur'an, (Bairút, Dar-ul-Hādis, 2003), 388.
- 48 Al- Nājam, 53:8__9.
- 49 Al-Fajār, 89:6 .
- 50 Ibīd, 89:17.

- 51 Islāhi, Amīn Ahsan, Tadābu'r ul Qur'an, (Lahòre, Farān Fòundātion ,2007), 9:358.
- 52 Al-fātihā 1:1__3.
- 53 Israr, Ahmad, Biyan-ul-Qur'an, (Pishawar, Anjuman Khudam Al'Qur'an, 2015), 1:109.
- 54 Al- tāwbāh, 9:34.
- 55 Al-bāqrāh, 2:186.
- 56 Daryā Abādi, Abdúl Majīd, Qur'an beēswi Sadī Māin, (Lahòre Sērvicēs Bòok Clúb ,1990), 42.
- 57 Al-Rāzi, Abú Bakār Múhammād Bīn Zakarīya, Al-tafsēer Al-taseer Al-kābir, (Misār, Dar-ul-Múarif Misār, 1998), 2:107.
- 58 Al sājdāh, 32:17.
- 59 Al- Zukhrúf, 43:71.
- 60 Bāni Irsaēl, 17:68.
- 61 Ash- Shúra, 26:205.